
دل کتنا سادہ ہے
محمد بشیر رانجھا

نام کتاب	: دل کتنا سادہ ہے
شاعر	: محمد بشیر رانجھا
تاریخِ اشاعت	: فروری 2003ء
قیمت	: 75.00 روپے
رابطہ	: CB-131 محلہ غازی آباد کمال آباد نمبر 3، راولپنڈی

انتساب

اپنے والدِ گرامی

جناب **سلطان احمد رانجھا** صاحب

کے نام

رضاؔ یہ میری غزل میں جو نغمگی سی ہے
اسے کشید کیا ماہیے کی لے سے میں
اختر رضا سلیمی

پہلا پتّھر

زندہ زبانیں مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کے اِمتزاج اور اَثرات کو قبول کرتی رہی ہیں۔اِن میں زندگی کے تمام ذائقے اور لطافتیں موجود ہوتی ہیں۔ پنجابی زبان اَپنی قدامت اور قامت میں اُتنی ہی قدیم، زِندہ اور جاندار ہے جتنا ہمارا ماضی اور حال ہے۔اِس زبان کو آپ "قدیم ہند کی تاریخ اور اِس خطّے میں بولی جانے والی ہندوی، لہندی اور سندھی زبان کے اِمتزاج کی ترقی یافتہ شکل" کہہ سکتے ہیں۔

پنجابی زبان اور اِس کی تاریخ کے بارے میں بہت سی متضاد آراء اور تذکرے ملتے ہیں، لیکن دو چیزوں پر تاریخ اور مؤرخ متفق نظر آتے ہیں......ایک اِس کی قدامت اور دوسرے اِس کا وجود......ڈاکٹر محمد باقر تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند میں لکھتے ہیں"......مغل بادشاہ جہانگیر پہلا شخص ہے جس نے اپنی

کتاب تزکِ جہانگیری جلد دوم کے صفحہ ۱۸۳ پر پہلی بار "پنجاب" کا نام لکھا۔۔۔۔۔" لیکن "تاریخ فیروز شاہی" (جو ۸۱-۱۵۸۰ء میں لکھی گئی) میں ہے کہ "۔۔۔۔۔ایک راستہ قلعے کی طرف پنجاب کے شیر خان نے بنایا تھا۔۔۔۔۔" اس کے علاوہ ابوالفضل کی "آئینِ اکبری" میں پنجاب کی دو صوبوں، لاہور اور ملتان، میں تقسیم کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ اسی طرح "آئینِ اکبری" کی ایک فصل کا نام بھی پنجاب لکھا گیا۔

مزید تاریخی حوالوں سے گریز کرتے ہوئے میں یوں کہوں گا پنجابی زبان اِس خطے کی قدیم ترین اور ہر لحاظ سے بھرپور زبان ہے۔ لیکن بدقسمتی سے یہ زبان اِس سرزمیں پر آنے والے حملہ آوروں، مہم جوؤں اور مختلف مذاہب کے مبلغین کی مادری زبانوں کے اثرات سے اپنے وجود اور ترویج کا مؤثر دفاع نہیں کر سکی۔ قدیم ہند دور سے لے کر تقسیم تک جغرافیائی حدود کے سکڑنے اور پھیلنے کے عمل نے اِس کو ایک محدود علاقے کی زبان بنا دیا پھر بھی اِس کا اپنا ایک منفرد تشخص اور تہذیبی و ثقافتی پسِ منظر ہے۔

پنجاب کی سر زمین لق و دق میدانوں، سر سبز و شاداب اور خوشنما منظروں، بے آب و گیاہ صحراؤں، دریاؤں، ندیوں، نالوں، قدرتی چشموں، سنگلاخ چٹانوں، خوش منظر وادیوں، برف پوش پہاڑوں، زرخیز کھیتوں، خارزاروں اور مرغزاروں پر مشتمل ہے۔ یہاں پر چشموں، ندی نالوں، دریاؤں، اور جنگلوں کی کمی نہیں اور اس کے کچھ علاقے ایسے بھی ہیں جو پانی کی بوند بوند کو ترستے ہیں۔ یہاں ایسے گھر بھی ہیں کہ جہاں شفاف اور شیریں پانی کے چشمے اُبلتے ہیں اور ایسے

مقامات بھی ہیں جہاں دوشیزاؤں کو ایک گھڑا پانی بھرنے کے لئے میلوں کی مسافت طے کرنا پڑتی ہے۔

یہ خطہ جغرافیائی طور پر دنیا کے کسی بھی خوبصورت مقام سے کسی بھی لحاظ سے کم نہیں۔ یہ خطہ اُس تہذیب وتمدّن کا گہوارہ رہا ہے جس کے آثار موہنجوداڑو اور ہڑپہ سے آج تک دستیاب ہو رہے ہیں۔ جہاں آریائی، ویدک، عرب، یونانی، تاتاری، منگول اور ترک مغلوں کے قافلے ٹھہرے اور یہ تہذیبیں پھلیں پھولیں اور مٹی رہیں۔ پانچ دریاؤں کی اس سرزمین کے لوک گیتوں میں زندگی کا بھرپور عکس ملتا ہے۔ اِس کے لوک گیت سوچ اور جذبوں کے اظہار کا ایسا وسیلہ ہیں جو صدیوں سے پنجاب کے گاؤں گاؤں اور شہر شہر کے لوگوں نے اپنایا ہوا ہے۔ یہ لوک گیت کسی ایک مخصوص شاعر کی دماغی صلاحیتوں کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ یہ ہر ایک کی ملکیت ہیں۔

کسی قوم کے جذبات اور فکر کو سمجھنے کے لئے لوک گیتوں کا مطالعہ انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ انہی سے اس معاشرے اور تہذیب کی تاریخی قدامت کا پتہ چلتا ہے کہ یہاں کون لوگ حکومت کرتے رہے اور ان کا طرزِ حکومت کیا تھا۔ یہاں کے لوگوں کے سماجی و معاشرتی حالات اور اطوار کیا تھے۔ ان لوک گیتوں سے ہمیں مقامی معاشرت، رسم ورواج اور لوگوں کے رہن سہن کے انداز کا پتہ چلتا ہے۔ ان لوک گیتوں سے ہمیں زندگی کی حقیقی تصویر اور سچائیاں ایسی سادگی اور محاورے کے ساتھ موتیوں کی مالا کی طرح اُس روایت سے جڑی ہوئی ملیں گی جو دلوں میں جذب ہو کر صدیوں سے سینہ بسینہ چلی آتی ہے۔

اسی طرح دُنیا کی ہر زبان کے ادب میں شاعری موجود ہے۔انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی شعر کا جنم ہوا......لہٰذا شاعری نثر سے بہت پہلے وجود میں آئی۔قدیم عہد ہی سے اِنسان شعر کی بدولت زندگی گزارتا آیا ہے۔لیکن ابھی تک شعر کی جامعہ ٹھوس اور قطعی تعریف نہیں کی گئی۔تاہم دانشوروں نے شعر کی تعریف کے بارے میں بے شمار آرائیں دی ہیں۔جن کی کسوٹی پر شعر کے معیار کو دیکھا...... پرکھا جاسکتا ہے۔شاعری ایک ایسا نرم و نازک گلدستہ ہے جس کا اپنا ایک الگ ہنر ہے اور جس کا مقصد حُسن پیدا کرنا ہے۔حُسن کا تعلق اُس محبت سے ہے جس سے خوابیدہ جذبات بیدار ہو جائیں......رُوح کا غنچہ کھل اُٹھے اور نَس نَس میں نشہ بھر جائے۔شعر و ادب دِیگر فنونِ لطیفہ کی طرح حُسن کے چشمے ہیں جن کا تعلق رُوح سے ہے۔شعر تو ہوتا ہی دِل کی آواز ہے اس کا کام سچائی کی تلاش اور نکھار ہے۔

پنجابی زبان کا دامن لوک گیتوں سے مالا مال ہے۔لہٰذا اصنافِ سخن کے اعتبار سے بھی یہ زبان دُنیا کی کسی بھی ترقی یافتہ زبان سے پیچھے نہیں۔دوہڑا، ڈھولا، لوری، گھوڑیاں، تھال، سی حرفی، کافی وغیرہ......اور......ایک طویل فہرست ہے جو الگ بحث کی متقاضی ہے۔انہی لوک گیتوں میں ''ماہیا'' ایک ایسی صنفِ سخن ہے جو قدامت کے لحاظ سے پنجابی زبان کے شانہ بشانہ چل رہی ہے۔بلکہ یہ صنفِ سخن قدامت کے لحاظ سے پنجاب کے تمام لوک گیتوں میں قدیم ترین ہے۔یہ بات بھی تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ کسی بھی زبان میں سب سے پہلا ادب، شعر کی صورت میں مرتب ہوا......اور شاعری میں لوک گیتوں کو ہر لحاظ سے اولیت حاصل ہے۔یہ کسی

ایک فرد، گروہ یا علاقے کی ملکیت نہیں ہوتے ۔ بلکہ ان کا مالک و خالق ہر وہ شخص، گروہ، یا علاقہ ہو سکتا ہے جس میں یہ تخلیق ہوئے ...... پھلے پھولے اور زبان زدِ عام ہوئے۔

لوک ادب پر ہر ایک کا حق اور دعویٰ جائز ہے۔ کیونکہ ادب کی دوامی قدروں کے حدود کا تعین کرتے وقت جب عمومیت کے اعتبار سے ہم اس کا جائزہ لیتے ہیں تو سوائے لوک گیتوں کے اور کسی بھی صنفِ سخن کو ہم عوامی ادب کا درجہ نہیں دے سکتے ۔ یہی وہ واحد صنف ہے جو براہِ راست عوام کے داخلی جذبات کے اظہار کا ذریعہ بنتی ہے اور عوامی زندگی کی ہو بہو عکاسی کرتی ہے ۔ اس اعتبار سے علاقائی زبانوں کی اہمیت مسلّم ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "غیر منقسم پنجاب" کی اکثریت "ماہیا" کی عوامی مقبولیت کے طفیل اسے اپنا عظیم تاریخی ورثہ اور ادبی سرمایہ سمجھتی ہے۔

اردو زبان کی عمر برصغیر کی تمام زبانوں سے کم ہے ۔ اس نوخیز زبان کی اپنی حلاوت، خوبیاں اور تاثیر ہے ۔ اس میں جتنی وسعت اور دلپذیری ہے اتنی شاید دنیا کی کسی دوسری زبان میں نہ مل سکے ۔ اس زبان میں شاعری عربی، سنسکرت اور فارسی کے راستے داخل ہوئی ۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں تجربات ہوئے ۔ سماجی اور معاشرتی اقدار میں تبدیلی آتی گئی ۔ دنیا جو اپنی وسعت کے اعتبار سے ایک خواب کی دنیا محسوس ہوتی تھی جدید ترقی یافتہ عہد میں داخل ہوئی ۔ سائنس کی ترقی نے گذشتہ ایک صدی میں اتنی تیزی اور حیرت انگیز طریقے سے دنیا کو ایک گلوبل ویلج کی شکل

دے دی کہ فاصلے سمٹ کر رہ گئے۔ انسان ایک دوسرے کے اتنا قریب آ گیا کہ چند لمحے پہلے اگر دنیا کے کسی حصے میں کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے تو اگلے ہی لمحے پوری دنیا اس سے اس کی تمام تر جزیات و تفصیلات کے ساتھ پوری طرح آگاہ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح زبان و ادب کے میدان میں بھی اتنی وسعت اور ہمہ گیری دیکھنے کو ملتی ہے کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ لوگوں کے درمیان سماجی روابط کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ زبانوں کے درمیان بھی ہم آہنگی اور میل جول اسی رفتار کے ساتھ جاری ہے۔ اس اِرتباط کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ عالمی زبانوں کا باہمی ادغام علم و ادب میں نئے نئے تجربات اور اسالیب کو متعارف کرانے میں معاون ثابت ہوا ہے۔

اردو زبان میں ''ثلاثی''، پنجابی میں ''ماہیا'' اور پشتو میں ''ٹپہ''لنڈی'' اور ''بگڑو'' وغیرہ کہنے کی روایت اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ یہ زبانیں اور اس کے بولنے والے بذاتِ خود قدیم ہیں۔ اور ان سب اصنافِ سخن کے معانی ...... مختصر، لنگڑا، چھکی، تالی، زہریلا سانپ یا اس کے زہر کی اثر پذیری وغیرہ ہیں۔ مثلاً ٹپہ چھکی یا تالی کو بھی کہتے ہیں اس طرح ٹپہ میں وہ خصوصیات بھی ہیں جو چھکی میں ہوتی ہیں اور ٹپے کی گائیکی میں تالی کا بھی حصہ ہے۔ سندھی اور بلوچی میں بھی ٹپے سے ملتی جلتی اصناف موجود ہیں۔ سندھی میں ''چھلو'' اور ''ڈھولو'' نام کی صنف، پوٹھوہاری ڈھولے سے کافی حد تک قریب ہے اور پوٹھوہاری ''ڈھولے'' ماہیے ہی کے رشتہ دار ہیں۔ یہ اصناف نہ صرف ہیئت بلکہ مضامین کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے کی مماثل ہیں۔

''ماہیا'' ہماری لوک ثقافت کا اور بالخصوص پنجاب کے لوک عوام کا ایک انمول خزانہ ہے۔ یہ ایک ایسا رائج الوقت سکہ ہے جس کی قدر و قیمت کبھی کم نہیں ہوئی بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت اور موضوعات میں پھیلاؤ اور وسعت آتی گئی۔ ماہیے وہ سدا بہار پھول ہیں جو گزرے ہوئے وقت کی آنچ سے بھی بوڑھے نہیں ہوتے۔ ماہیا ہمارے لوک گیتوں کی وہ واحد صنف ہے جو آج بھی کچے گھروں سے لے کر پکے مکانوں تک، لہلہاتی فصلوں اور چھوٹی چھوٹی پگڈنڈیوں سے لے کر پکی سڑکوں اور جدید طرز کے بازاروں تک یکساں مقبول ہے۔ اسی لئے الٹرا ماڈرن کچن ہو یا گیلی لکڑیوں سے سلگتا دھواں دھار چولہا، جدید ترین ڈرائنگ روم ہو یا دور افتادہ کھیت کا کنارہ، پہاڑوں میں گھری بستی ہو یا روشنیوں میں نہایا ہوا شہر، بھیڑ بکریوں کا ریوڑ ہانکنے والا گڈریا ہو یا زندہ دِل یاروں کی محفل، بیٹھک ہو یا چوبارہ، چوپال ہو یا آبادی سے دور کھلا میدان، سہیلیوں کی ملاقات ہو یا ہمجولیوں کا جھرمٹ، کالی یخ بستہ راتیں ہوں یا تپتی شکر دوپہریں، سلگتی شامیں ہوں یا چاندنی راتیں، بہار ہو یا ساون کی گھنگور گھٹائیں، ماہیا ہر رنگ میں اور ہر جگہ موجود ہے۔

ماہیے کو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں خاص مقبولیت حاصل ہے۔ اگر بَرجستہ ماہیا حسنِ اتفاق سے بنیادی جذبات کا عکاس یا سماجی زندگی کے عین مطابق اور زیادہ رواں ہو تو ایک دم سے نوکِ زبان ہو جاتا ہے اور یوں وہ ماہیا ایک زبان سے دوسری زبان تک جا پہنچتا ہے۔ اس عمل میں لوک فنکاروں کا بڑا حصہ ہے۔

ماہیا گانے کی مخصوص دُھنیں ہیں۔ماہیا زیادہ تر پہاڑی، سندھڑا، مانڈا اور سندھی بھیرویں میں گایا جاتا ہے۔بھیرویں اور بھیم پلاسی میں بھی اسے گاتے ہیں۔ اس کے علاوہ جنگنی بھیرویں میں اور چناں پہاڑی میں بھی ماہیا الاپا جاتا ہے۔اور بھی بہت سی راگنیوں یا دُھنوں میں ماہیا گانے کی کوشش کی گئی لیکن وہ ماہیے کے مزاج سے مناسبت نہ رکھنے کی وجہ سے مشہور نہ ہوسکیں۔ماہیا بنیادی طور پر عورتوں کا گیت ہے لیکن اسے مردوں نے بھی اپنالیا ہے۔اسی لئے عورتوں اور مردوں کے ماہیوں کے موضوعات اور گائیکی کے انداز میں واضح فرق ہے۔ان کی دُھنیں بھی الگ الگ ہیں۔اگر دُھن ایک ہوجائے تو بھی ان کی چال میں فرق پایا جاتا ہے۔ عورتوں کی دُھنوں میں ایک قرینہ، سلیقہ اور سلجھاؤ ہے۔وہ کورس میں یا اکیلے...... ’’کہروا تال دُرت لَے‘‘ میں ڈھولک کی تھاپ پر گاتی ہیں۔عورتوں کے ماہیے میں زیادہ تر استھائی ہوتی ہے، انترا نہیں ہوتا۔کبھی کبھار کورس میں سے ایک آواز انترا اُٹھالیتی ہے لیکن وہ جلد ہی استھائی میں شامل ہوجاتی ہے۔عورتوں کے مقابلے میں مرد حضرات زیادہ تر اکیلے ڈھولک کے بغیر ’’بلمپت لَے‘‘ میں گاتے ہیں۔ان کی دُھنوں میں اُٹھان اور وسعت ہوتی ہے۔

ہیئت کے لحاظ سے پنجابی ماہیا دو ٹکڑوں میں بٹا ہوتا ہے جسے دو مصرعے بھی کہا جاتا ہے بعض کے نزدیک یہ تین مصرعے ہیں پہلا حصہ دوسرے کے آدھے کے برابر ہوتا ہے۔اس لحاظ سے اسے ڈیڑھ مصرع کی نظم کہا جاسکتا ہے۔پنجابی ماہیے کی تقطیع کر کے بتایا گیا ہے کہ اس کا وزن یہ ہے:۔

فعلات ۔۔۔۔۔مفاعیلن

فعلات ۔۔۔۔۔مفاعیلن

فعلات ۔۔۔۔۔مفاعیلن

گویا ماہیے کے تینوں مصرعے ہم وزن ہوتے ہیں یا پھر پہلا مصرع اور دوسرا طویل مصرع ایک جمع دو سے بنا ہوتا ہے۔البتہ اردو میں ماہیے کا درست وزن دوسرے مصرعے میں ایک سبب کم کے طور پر مانا گیا ہے جو کچھ اس طرح سے ہوگا۔

اوّل الذکر وزن کو زیادہ ماہیا نگاروں نے استعمال کیا ہے:۔

(۱) مفعول مفاعیلن / فعل مفاعیلن / مفعول مفاعیلن

(۲) فعلن فعلن فعلن / فعلن فعلن فع / فعلن فعلن فعلن

دیگر اصنافِ سخن کی طرح اردو میں پنجابی ماہیے کو متعارف کرانے والوں نے محض تجرباتی طور پر ماہیا لکھا۔لوگ یہ بات مانیں یا نہ مانیں لیکن میری ذاتی رائے میں ماہیے کی "مقبولیت"، "رس" اور "آہنگ" نے اردو شعراء کو اتنا متاثر کیا کہ انہوں نے اسے اردو روپ میں پیش کرنے میں فخر محسوس کیا۔اس افتخار کی ایک اور بنیادی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ماہیا لوک ادب اور لوک ثقافت میں بہت زیادہ مقبول تھا اور اس کا لوک ثقافت پر بہت زیادہ سحر تھا جس کی وجہ سے اردو شعراء کو مجبوراً اسے اردو روپ دینے کی سوجھی۔ورنہ پنجابی اور دیگر علاقائی زبانوں میں اور بھی بہت سی اصنافِ سخن موجود ہیں جن پر کسی دوسری زبان میں تجربہ کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

ہمت رائے شرما کو اردو ماہیے کا "باوا آدم" کہا گیا ہے۔ہمت رائے نے

جب گذشتہ صدی میں پہلے پہل ماہیا لکھا تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو گا کہ تجربے کی اولیت اس کے لئے ایک پہچان کا درجہ و مقام حاصل کر لے گی۔ ہمت رائے شرما کے ساتھ ساتھ لگ بھگ اسی دور میں چراغ حسن حسرت، ساحر لدھیانوی، قمر جلال آبادی، قتیل شفائی وغیرہ نے بھی اردو ماہیے لکھے لیکن اولیت کا سہرا ہمت رائے شرما کے سر پر کس طرح سجایا گیا یہ موضوع ایک الگ بحث کا متقاضی ہے۔

بہر حال اُس وقت ماہیے کی ہیئت اور اوزان کا مسئلہ نہیں تھا اور اگر تھا بھی تو اتنی شدت کے ساتھ اس پر لے دے نہیں ہوئی۔ اِس دوران نہ صرف ماہیا لکھا گیا بلکہ اس کے کئی ایک مجموعے بھی منظرِ عام پر آئے۔ ماہیا لکھنے والوں نے ڈیڑھ مصرعی، مساوی الاوزان اور دوسرے مصرعے میں ایک سبب کم والے ماہیے لکھے۔ پاکستان میں محمد مسعود ساقیا (بعد ازاں محمد مسعود ہاشمی...... حال مقیم پیپلز کالونی راولپنڈی) کو ماہیا کے پہلے صاحبِ کتاب ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ مسعود کا مختصر سا مجموعہ "ساقیا" کے نام سے غالباً جون 1972ء میں شائع ہوا تھا جس میں سبھی ماہیے ڈیڑھ مصرعے کی ہیئت اور فارم میں ہیں۔

1990ء کی شروعات میں حیدر قریشی نے اردو ماہیے کی ہیئت اور فارم پر علمی بحث کا آغاز کیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ بحث عالمی سطح پر اردو دان حضرات کے درمیان ایک بہت بڑا موضوع بن گئی۔ اور آج بھی اس کی حمایت اور مخالفت میں بہت سے ناقدین اور اہلِ فن لکھ رہے ہیں۔ اردو ماہیے کو اس بحث سے بہت

زیادہ توانائی ملی اور اس پر ایک الگ تنقیدی دبستان قائم ہوا۔

حیدر قریشی اور اس جیسے چند مخلص لوگوں کے علاوہ بہت سے "نام نہاد" دانشوروں "جھولی چُک" قسم کے ادیبوں اور بزعم خود "مشہور و معروف" نقادوں نے اس بحث کے ذریعے اکثر قارئین کو بہت زیادہ گمراہ کیا اور اس "چخ چخ" میں یہ بحث ادب کی سطح سے گر کر ذاتیات کی سطح پر لڑی جانے لگی اور نوبت گالم گلوچ تک پہنچ گئی۔ یوں سنجیدہ اور شریف النفس دانشور اور ادیب اس کے سلجھاؤ کی کوششوں میں شامل ہی نہیں ہوئے۔ حالانکہ سنجیدہ اور ثقہ بند نقادوں کا اس بحث میں شامل ہونا انتہائی ضروری تھا اور اس کی ابھی تک گنجائش بھی موجود ہے۔

گذشتہ دہائی میں، میری معلومات کے مطابق، ماہیے کے تقریباً پینتیس مجموعے منظرِ عام پر آئے اور اس وقت تک پاک و ہند کے علاوہ اردو دنیا میں تقریباً تین ساڑھے تین سو ماہیا نگار اس کی آبیاری کر رہے ہیں۔ میں نے کسی اور جگہ بھی لکھا تھا اور اب دوبارہ اپنی بات کو دہرا رہا ہوں کہ مساوی الاوزان، دوسرے مصرعے میں ایک سبب کم اور ڈیڑھ مصرعے والے.......سبھی قسم کے ماہیے لکھنے والوں کو مسلسل لکھتے جانا چاہئیے۔ کیونکہ ماہیے نے پہلے جنم لیا اور وزن اسی سے اخذ کئے گئے ہیں اس لئے اہمیت ماہیے کی اوّلین ہے اور جب تک عروض کے ماہرین متفقہ طور پر اس کی ہیت اور اوزان پر نہ صرف متفق ہو جائیں سبھی طرح کے اوزان میں طبع آزمائی جاری رہنا چاہئیے ...... بلکہ اس کی ہیت اور فارم سے قطع نظر اس کے موضوعات پر بھی توجہ کی ضرورت ہے۔ اس کی بحور، آہنگ اور ردھم کے بارے میں

بھی بحث ہونی چاہیے تاکہ اس کی اثر پذیری اور عالمگیر قدروں کا بھی تعین ہو ۔مکالمے اور مباحثے ہی ادب کی پرداخت اور پرورش کا کام کرتے ہیں ۔

اچھی اور روایت سے جڑی ہوئی بات زیادہ قابلِ توجہ اور اہم ہوتی ہے ۔ ماہیے کی عالمگیر شہرت کے زیرِ اثر رہ کر میں بھی اپنے دامن کو صاف بچا نہیں سکا اور اپنے اوپر ماہیا نگاری کی حد تک پہلا پتھر خود ہی اچھال رہا ہوں ۔میرے ماہیے درست وزن میں ہیں یا نہیں یہ جانچنا اہلِ عروض کی ذمہ داری میں شامل ہے تاہم زیرِ نظر مجموعے میں شامل تمام ماہیے عددی کمی کے باوجود اپنی اثر پذیری میں انشاءاللہ آپ کو دوسروں سے کم نہیں ملیں گے ۔علم عروض کی رو سے ہو سکتا ہے میں نے بہت سی خامیاں اور کوتاہیاں چھوڑی ہوں لیکن خیال اور آہنگ کے سلسلے میں میں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ میں نے اس کی روایت اور غنائی آہنگ کا بھرپور لحاظ رکھا ہے ۔اس پورے مجموعے میں سے اگر آپ کو دو چار ماہیے بھی پسند آ گئے تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت رائیگاں نہیں گئی ۔

محمد بشیر رانجھا

CB-131 محلہ غازی آباد

کمال آباد نمبر 3.....راولپنڈی

O

اعجاز تمہارا ہے

میری نگاہوں میں

جو پیار نکھارا ہے

O

O

جب بھی اُس پار گئے
اُن سے کہنا تُم
دُکھ ہجر کے مار گئے

O

○

یہ بھی ہے کمال اس کا

دِل سے نہیں جاتا

اک لحظہ خیال اس کا

○

o

اونچے تھے خیال اُس کے
دفن مِرے دِل میں
اَب تک ہیں ملال اس کے

o

O

دِل کتنا سادہ ہے
پَر بھی نہیں لیکن
اُڑنے کا ارادہ ہے

O

o

دِل کہتا ہے سینے میں
تجھ سے جدا ہو کر
کیا لطف ہے جینے میں

o

o

میں جاں سے گزر آیا

تب کہیں جا کے مجھے

جینے کا ہنر آیا

o

o

ہر رستہ ناپوں گا

تیری جدائی کے

میں گیت الاپوں گا

o

O

میرا سرمایہ ہے

دیس پہ مٹنے کا

اِک حلَف اٹھایا ہے

O

O

بس وقت گنوایا ہے

تیری محبت میں

کیا کھویا پایا ہے

O

○

چالاک زمانہ ہے

خیر کرے مولا

دِل اب کے نشانہ ہے

○

o

یہ کیسی سزا دی ہے

تو نے مِرے دل پر

تصویر بنا دی ہے

o

O

یہ قول نبھانا ہے

تجھ سے الگ رہ کر

تجھے جی کے دکھانا ہے

O

کب ساتھ یہ چلتے ہیں
لوگ بدلتے ہیں
جب سائے ڈھلتے ہیں

o

برسے ہے گھٹا گوری
رُت ہے ساون کی
اَب پاس تو آ گوری

o

O

جیتے ہیں مر مر کے
کانچ کی بستی ہے
سب لوگ ہیں پتھر کے

O

o

پانی کے دھارے پر
عُمراں بیت گیاں
اِک جھوٹے ''لارے'' پر

o

O

بے لفظ کہانی تھی
تجھ سے پیار کیا
میری نادانی تھی

O

O

کیا دیکھا ہستی میں

لوگ ہوئے پتھر

شیشوں کی بستی میں

O

o

دو پھول کھلیں سجنا

عمریں بڑھتی ہیں

جب نین ملیں سجنا

o

O

کبھی مل تو اکیلے میں
کچھ بھی نہیں رکھا
دُنیا کے میلے میں

O

o

مجھ سے بھی وفا کرتے

قرض محبت کا

اے کاش ادا کرتے

o

o

دِل جان سے پیاری ہے
گڑیا لگتی ہے
بیٹی جو ہماری ہے

o

o

پھولوں سے بھری ڈالی
تیرے حوالے سے
دامن نہ رہا خالی

o

o

خوشحال چمن میرا
آباد رہے مولا
یہ پیارا وطن میرا

o

o

بس خاک بہ سر رہنا
میرے مقدر میں
ہے محوِ سفر رہنا

o

o

اُلفت کے قرینوں کو
کیسے جانو گے
ہم خاک نشینوں کو

o

o

بازار کو جائیں گے
تیرے لئے گوری
اِک تحفہ لائیں گے

o

o

سچ بات کہوں کس سے

ناراض نہ ہو جائے

میں بات کروں جس سے

o

O

بستر پہ سُلا ڈالا
تیری محبت نے
بیمار بنا ڈالا

O

O

آتش سی بھڑکتی ہے
میرے زخموں پر
جب "لون" چھڑکتی ہے

O

o

پانی میں آگ لگے

تیری محبت تو

اِک دِیپک راگ لگے

o

o

آنکھوں میں سپنے ہیں
دِیس کے سب باسی
اب میرے اپنے ہیں

o

o

لہروں کی روانی میں
تنہا چھوڑ دیا
کیوں اس نے جوانی میں

o

O

سورج کو ڈھلنے دے
چوٹ تو ہے تازہ
کچھ دیر سنبھلنے دے

O

O

گڑیا ہے چابی کی

پیار نہ وہ سمجھے

ہے بات خرابی کی

O

O

سردی کی راتوں میں
آخر آ گئے نا
لوگوں کی باتوں میں

O

o

ہر سُو ہریالی ہے
لیکن تیرے بنا
ہر منظر خالی ہے

o

O

بارش کا قطرہ ہے
بھول نہ جائے تو
بس اتنا خطرہ ہے

O

O

ندیا کے کنارے پر

تنہا بیٹھا ہوں

یادوں کے سہارے پر

O

o

مسرور کرو دِل کو

کہہ کے "نہیں" جاناں!

مت چُور کرو دِل کو

o

o

الفت کے نظارے ہیں
میری آنکھوں میں
اَب خواب تمہارے ہیں

o

O

جب یاد ستائے گی
آنکھوں میں، میری
تصویر تو آئے گی

O

O

دُنیا کو رُلاتے کیوں؟
تیری کہانی ہم
لوگوں کو سُناتے کیوں؟

O

O

جب یاد کہیں آیا

حسن کا ہر منظر

پھر زیرِ نگیں آیا

O

O

گو خواب تو اپنے ہیں

میری آنکھوں میں

بس تیرے سپنے ہیں

O

O

جب دُھوپ جلائے مجھے

یاد بہت آئیں

زُلفوں کے سائے مجھے

O

O

تصویر نہیں بنتی

خوابِ محبت کی

تعبیر نہیں بنتی

O

O

تقدیر سنور جاتی

چھو کے مجھ کو اگر

وہ زُلف گزر جاتی

O

o

مندری میں نگینہ ہے
دِل کی دھرتی میں
یادوں خزینہ ہے

o

o

موسم ہے سرسوں کا
ٹوٹ گیا پل میں
اِک رشتہ برسوں کا

o

O

گزری ہے گھٹا سر سے

خون نہ برسے تو

پھر آنکھ سے کیا برسے

O

O

ٹھوکر مجھے نہ مارو

تیری جدائی میں

مر جائیں گے رو رو کر

O

O

تقدیر کو چھوڑ آئے

خون کے رشتے ہم

گاؤں میں چھوڑ آئے

O

o

دِل جان سے پیارا ہے
تاریخ بتاتی ہے
کشمیر ہمارا ہے

o

O

دولت ہے نہ زر باقی

تَرکہ بزرگوں کا

بس ایک ہے گھر باقی

O

o

یہ کام بھی کر جاتے

جاتے ہوئے ساجن

دِل سے بھی اُتر جاتے

o

O

جانانہ مرے دِل کی
اِک شہزادی ہے
سلطانہ مرے دِل کی

O

o

بس حرف رِدا میری

شعر مرا پیکر

اور لفظ قبا میری

o

O

اے باد ِ صبا جانا
اس کے چہرے سے
کچھ رنگ چُرا لانا

O

o

صحرا میں بگولے ہیں
تو ہی بتا سجنا
کس پل تجھے بھولے ہیں؟

o

o

ترے راج دُلاروں میں
میں بھی شامل ہوں
کیا تیرے پیاروں میں؟

o

O

زنجیر کیا جائے

پیار کے منظر کو

تصویر کیا جائے

O

o

جب یاد وہ آتے ہیں
ہم نہر کے پانی پر
پھولوں کو بہاتے ہیں

o

O

کچھ پھول مہکنے دے
پیڑ کی شاخوں پر
چڑیوں کو چہکنے دے

O

O

دلدوز سے منظر ہیں
افلاک کے تارے بھی
دھرتی کا مقدر ہیں

O

O

سردی کی لہروں میں
دُھوپ اترتی ہے
کب سارے شہروں میں؟

O

o

آنکھوں میں کاجل ہے

دِل کی کیا مانیں؟

یہ دِل تو پاگل ہے

o

O

ہر دم رہو تابندہ

ہمشیر کہے میری

اے ویر! رہو زندہ

O

o

ڈھلتی ہوئی شاموں میں
بھول گیا مجھ کو
وہ دُنیا کے کاموں میں

o

O

اک سپنا لگتا ہے
وہ بھی پرایا ہے
جو اپنا لگتا ہے

O

o

اِک لال انگارا ہے

کہسار جسے سمجھا

وہ جسم تو گارا ہے

o

o

تصویر خیالی ہے

تو ساتھ رہے میرے

یہ حسرت پالی ہے

o

O

الزام ہے مالی پر

پھول نہیں رکھتے

دہلیز کی تھالی پر

O

o

اک پیڑ پرانہ تھا
گھر کے آنگن میں
چڑیوں کا ٹھکانہ تھا

o

O

کچھ پھول سنہرے تھے

کیسے تجھے ملتے

ہر سمت ہی پہرے تھے

O

O

تری یاد ہے سرمایہ
تجھ سے جدا ہو کر
تجھے بھول نہیں پایا

O

o

تری یاد میں روتے ہیں
آنکھ کی مالا میں
کچھ اشک پروتے ہیں

o

O

چاہت کے اسیروں کے
نہر کنارے پر
ڈیرے ہیں فقیروں کے

O

O

دِل توڑ کے جاتے ہو

عین جوانی میں

کیوں چھوڑ کے جاتے ہو

O

o

الفت کا زمانہ ہے

وعدہ رہا سجنا

اب ساتھ نبھانا ہے

o

O

پردیس ٹھکانا ہے

اک روز ہمیں رانجھا

سب چھوڑ کے جانا ہے

O

O

سردی کی راتوں میں
وقت گزر جائے
باتوں ہی باتوں میں

O

o

قسمت میں جدائی ہے
تیری مری دشمن
یہ ساری خدائی ہے

o

o

پردیس میں ہے ماہی
میری نہیں سنتا
کچھ تو ہی بتا راہی

o

o

جی جان سے پیاری ہے

ہم ترے رانجھے ہیں

تو ہیر ہماری ہے

o

O

ہر دور کا گیت رہا
ماہیا کہنا بھی
''پنجاب'' کی ریت رہا

O

o

ہر زخم گوارہ ہے

ذات کا رانجھا ہوں

گھر تخت ہزارہ ہے

o

O

زندہ ہے فن میرا

میں پنجابی ہوں

"سرگودھا" وطن میرا

O